JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, July – Dec 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

برصغیر میں مسلم حکمرانوں کا بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ میں کردار: مطالعۂ فکرِ استشراق

The Role of Muslims Rulers of the Subcontinent in the Promotion of Inter-Faith Harmony: A Study of Orientalistic Thought

Dr. Muhammad Riaz Mehmood*
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat.

Dr. Ihsan Ur Rahman Ghouri**
Associate Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract

All aspects of Islamic thought and philosophy are directly or indirectly concerned with the material and spiritual development of human beings. Humanitarianism and philanthropy have always been the primary goals of Muslims. That is why,Muslims have shown no hesitation in treating people of different religions kindly. Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) established full political and social relations with the people in Makkah, Madinah and other areas. He did not show any narrow-mindedness in this regard. Muslims have always adhered to these golden principles of the Holy Prophet and tried their best to create an atmosphere of inter-faith harmony .The same issue of tolerance with non-Muslims was raised by Muslims in the subcontinent as well. Contrary to acknowledging these facts, some orientalists allege that the attitude of Muslim rulers in the subcontinent was cruel and bigoted towards non-Muslims. This research article analyzes the misconceptions of orientalists regarding forced preaching, protection of worship places, Jizyah and the conduct of Muslim conquerors.

Keywords: *Holy Prophet, Inter-Faith Harmony, Muslim, Muslim Conquerors, Orientalists, Subcontinent.*

ا۔ موضوعِ تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پسِ منظر

اسلام نظریاتی و عملی اعتبار سے ایک نافع، صالح اور انسان دوست دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مختلف مذاہب کے حاملین کے ساتھ خصوصی حُسنِ سلوک، رواداری اور برداشت کا معاملہ کیا ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مکہ کے مشرکین کے ساتھ ایسے سیاسی وسماجی تعلقات قائم کئے جس کے نتیجے میں اس محترم شہر اور گردونواح کی بستیوں کے بہت سے اہم افراد جلد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

مقامی افراد کی معاونت و مشاورت سے ہی اسلام کو وہ ماحول میسر آیا کہ وہ چند سالوں میں ہی ایک عالمی طاقت کے طور پر سامنے آیا۔ مختلف مذاہب سے وابستہ افراد کے ساتھ سماجی رابطے کا ہی نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جلد ہی میثاقِ مدینہ کو تشکیل فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک ایسی مثالی ریاست کی بنیاد رکھی جس میں رنگ و نسل اور ایمان و عقیدہ کے امتیازات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر شخص اپنی بات کہہ سکتا تھا اور اُس کے جان و مال کو ریاستی تحفظ حاصل تھا۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے ذریعے اقوامِ عالم کو یہ پیغام دیا گیا کہ اسلام معاملہ فہمی، انسانی حقوق کے تحفظ اور مذہبی آزادیوں کے ماحول کو تشکیل دینے کا سب سے بڑا داعی ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی کے ان زرّیں اصولوں کی پاسداری عہدِ خلافتِ راشدہ، عہد بنواُمیہ، عہدِ عباسی اور عہدِ خلافتِ عثمانیہ میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسی احساس وجذبہ کا مظاہرہ مسلمانوں نے برصغیر میں کیا۔ سلاطینِ دہلی(۱۲۰۶ء تا۱۵۲۶ء) اور مغل حکمرانوں (۱۵۲۶ء تا۱۸۵۷ء) نے غیر مسلموں کو عزت وتکریم سے نوازا، انہیں سیاسی وسماجی میدان میں اپنی صلاحیتیں نکھارنے کے بھرپور مواقع فراہم کئے، ان کو آزادی تھی کہ وہ اپنے مذہبی تہوار پورے سلیقے اور خوشی کے ساتھ منائیں، تجارت وکاروبار کے معاملات میں بھی اُن کو بھرپور سہولیات فراہم کی گئیں، ان کی جائیدادوں اور عبادت گاہوں کو محفوظ کرنے کے لئے غیر معمولی اقدامات کئے گئے، ان کے مذہبی پیشواؤں کو شرف واحترام سے نوازا گیا۔ ان حقائق کے برعکس بعض مستشرقین نے برصغیر میں اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ پر سنجیدہ اعتراضات کئے ہیں۔ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہاں اسلام طاقت کے زور پر پھیلا ہے، مسلم فاتحین نے مقامی آبادی کے ساتھ نامناسب سلوک کیا، جزیہ کے نام پر غیر مسلموں کو معاشی طور پر تنگ کیا گیا، ان کی عبادت گاہیں منہدم کر دی گئیں، لوٹ مار کی گئی اور مذہبی آزادیوں کو سلب کر لیا گیا۔ تعصب اور غلط فہمی پر مشتمل اس خطرناک موقف اور زہریلے بیانیے کا موثر جواب دیا جانا نہایت ضروری ہے۔ برصغیر میں اسلامی تہذیب خصوصاً مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل پر کئے جانے والے ان اعتراضات کا تجزیہ ہی اس تحقیقی مضمون میں مطلوب و مقصود ہے۔ موضوعِ تحقیق کا براہِ راست تعلق اسلامی تہذیب، مسلم طرزِ سیاست، اشاعتِ اسلام کی تاریخ اور برصغیر میں مسلمانوں کے اثر ونفوذ سے ہے۔ یقیناً یہ ایک بہت پھیلا ہوا موضوع ہے، اس لئے اختصار کے پیشِ نظر مضمون ہذا کو جبری تبلیغِ مذہب، عبادت گاہوں کے تحفظ، جزیہ اور مسلم فاتحین کے طرزِ عمل تک محدود رکھا گیا ہے۔ مضمون تین اجزاء پر مشتمل ہے، پہلا جُزو موضوعِ تحقیق کے تعارف وپسِ منظر، دوسرا جزو استشراقی فکر کے تجزیہ اور تیسرا جُزو خلاصۂ بحث پر مشتمل ہے۔

۲۔ برصغیر میں مسلمانوں کی بین المذاہب ہم آہنگی سے متعلق استشراقی فکر کا تجزیہ

برصغیر زمانۂ قدیم سے ہی اپنی جغرافیائی حیثیت، زرخیزی، حسین مناظر اور معدنی خزانوں کی وجہ سے اقوامِ عالم کے لئے توجہ اور کشش کا باعث ہے۔ یہاں کے تہذیب وتمدن کی تشکیل وتعمیر میں مختلف مذاہب اور رنگ ونسل کے اجزائے ترکیبی کو دخل حاصل ہے۔ مسلمان اس خطے کی تاریخی، مذہبی، ثقافتی اور معاشی انفرادیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ مختلف شعبہ جات میں پائی جانے والی رنگارنگی نے مسلم حکمرانوں کو اپنی مذہبی وسیاسی حکمت ہائے عملی کی تشکیل میں مدد فراہم کی۔ مسلمانوں نے اسلام کی روح کے عین مطابق بین المذاہب رواداری کے اصولوں کو درجۂ کمال پر اپنایا۔ اس شاندار کارکردگی کی تحسین و ستائش کے بجائے بعض مستشرقین نے الزامی

ومعترضانہ اسلوب اختیار کیا۔برصغیر کے مسلمانوں کی بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ سے متعلق حکمت عملی پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے ہیں اُن میں سے منتخب نکات کا تجزیہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام کی جبری تبلیغ

اسلام ایک امن پسند دین ہے، تاریخ کے کسی بھی مرحلہ میں مسلمانوں نے تبلیغِ اسلام کے لئے جبر واکراہ کی حکمتِ عملی اختیار نہیں کی، مسلمانوں کے اس شرف وظرف کو سراہنے کے بجائے بعض مستشرقین یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے تبلیغِ اسلام کے لئے نامناسب ذرائع استعمال کئے اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنایا۔ مستشرق الفسٹن نے لکھا ہے کہ اسلام ہندوستان میں محمد بن قاسم کے ذریعے متعارف ہوا۔ [1] وہ اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ محمد بن قاسم کی آمد سے کئی عشروں قبل برِ صغیر میں اسلام مختلف ذرائع سے ایک محترم تعارف اور شناخت حاصل کرچکا تھا۔ مستشرق موصوف نے عربوں کے اہلِ ہند سے قدیم تجارتی روابط کو بُری طرح نظر انداز کیا، اس نے عہدِ رسالت ﷺ میں اہلِ ہند کی اسلام اور مسلمانوں سے دلچسپی کے احوال کو بھی مدِ نظر نہیں رکھا۔ کُتبِ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات کا اندراج ہے کہ محمد بن قاسم کی آمد سے قبل برصغیر کے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہوچکی تھیں، اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیا گیا کہ بہت سے اصحابِ رسول، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سرزمینِ ہند پر تبلیغِ اسلام کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اس تاریخی پسِ منظر کو نظر انداز کرتے ہوئے اور مسلمانوں پر طاقت کے ناجائز استعمال کا الزام لگاتے ہوئے مستشرق موصوف لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ محض مسلمان حکمرانوں کے ظلم وجبر کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ یہ فطرت کے بالکل منافی ہے کہ کسی کو جبر کے ذریعے اپنے مذہب میں داخل کیا جائے لیکن مسلمانوں نے اس کام سے گریز نہ کیا اور ڈر کی وجہ سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ [2] اس الزام کی حقیقت کی وضاحت برصغیر کے بہت سے علاقوں میں تبلیغِ اسلام کی صورتِ حال سے ہوتی ہے۔ بنگال میں اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کی اصل وجوہات "Gordon Kerr" کے اس بیان سے واضح ہوتی ہیں:

> "ظنِ غالب یہ ہے کہ ہندومت کی پابندیوں نے بنگال کی نیچ ذاتوں کو اس نئے مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ کردیا تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک بنگال پر پال خاندان کی حکومت تھی، جو بدھ کا پیرو تھا۔ اس کے زمانہ میں نیچ ذاتوں کو بڑی آزادی حاصل تھی۔ جب سین خاندان کے لوگ جنوب کی طرف بنگال میں داخل ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندومت اور اس کی تمام معاشرتی پابندیاں بھی لے آئے، جن سے نیچ ذاتوں کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس لگتی تھی اور جب بارہویں صدی میں اسلام آزادی اور مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا بنگال پہنچا تو عوام کی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہوگئیں۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے۔ یہ ایک بڑا سبب ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حاجت نہیں۔" [3]

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ

اسلام مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کا درس دیتا ہے۔ مسلمانوں نے مختلف علاقوں میں اپنے دورِ اقتدار میں عملی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں مسلمانوں کے ہاتھوں محفوظ رہتی رہی ہیں۔اس نظریاتی اور عملی پسِ منظر کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض مستشرقین نے مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل پر یہ الزام وارد کیا ہے کہ انہوں نے غیر مسلموں کی بہت سی عبادت گاہیں منہدم کر دیں۔ مستشرق جیمس فرگیسن نے لکھا ہے کہ مسلم حکمرانوں کا یہ طرزِ حکمرانی رہا ہے کہ وہ جو چیز بھی ناگوار سمجھتے اس کو منہدم کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیتے تھے اور اپنے حکومتی کارندوں کے ذریعے ان حکم ناموں پر عمل کرواتے۔یہی روش انہوں نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کے بارے میں رکھی یعنی مندروں کے بارے میں ان کے نظریات تباہ کن تھے۔[4]اس استشراقی الزام کا ازالہ بہت سے غیر جانبدار مؤرخین کے بیانات سے ہوتا ہے۔ڈاکٹر ایشور ٹوپا لکھتے ہیں کہ اسلامی اصولوں کے نقطۂ نظر سے غیر مسلم ذمی کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ نئے مندر نو آباد مسلمانی علاقوں میں تعمیر کرتے۔فیروز شاہ نے تغلق پور، صالح پور اور کوہانہ نئے شہر آباد کئے تھے، یہاں ہندوؤں نے مندر بنائے۔یہ مندر فیروز شاہ کے حکم سے توڑے گئے۔ان مندروں کے متعلق فتوحاتِ فیروز شاہی میں تفصیلی حالات ملتے ہیں۔اس میں لکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان تیوہاروں کے موقعہ پر، جو ان مندروں کے سلسلے میں ہوا کرتے تھے، جاتے تھے اور عورتوں کا بھی کثرت سے ان جگہوں میں آنا جانا ہوتا تھا۔مرد اور عورت کے ملنے جلنے کی وجہ سے پبلک میں عام رسوائی کے چرچے ہوا کرتے تھے۔ بداخلاقی پھیلتی جاتی تھی۔یہ مندر دراصل عقیدت اور مذہبیّت کے گھر نہ بن سکے، بلکہ شیطان کا وہاں راج تھا۔فیروز نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسرے پبلک کی بھلائی کے پیشِ نظر ان مندروں کو توڑا۔فیروز شاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری پالیسی کے مندر توڑے۔[5]اس ضمن میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کا بیان ملاحظہ ہو:

> "جنگ کے دوران عبادت گاہوں کی بربادی ایک عام بات تھی۔لیکن جب صلح کی صورت پیدا ہو جاتی تو ان عبادت گاہوں کی تخریب سے ہاتھ روک لیا جاتا تھا۔"[6]

جزیہ

جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ادا کرتے ہیں،اس رقم کی وصولی کے بدلے میں اسلامی ریاست ان شہریوں کی جان واملاک کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے،اس ٹیکس کی وجہ سے غیر مسلموں کے اسلامی ریاست کے ذمہ داران کے ساتھ خیر سگالی پر مشتمل تعلقات قائم ہوتے ہیں۔جزیہ سے متعلق اس صالح پسِ منظر کو نظر انداز کرتے ہوئے مستشرق اسٹینلے لین پول نے لکھا ہے کہ ہندوستان پر وارد ہونے والے عرب بادشاہوں کا نفاذ جزیہ ایک غیر فطری عمل ہے کیونکہ ہندوستان جن لوگوں کا دیس ہے انہیں سے ٹیکس وصول کرنا ظالمانہ فعل ہے اور منصفانہ مزاج کے بالکل برعکس ہے۔[7]اس اعتراض کی وضاحت ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کے اس بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے:

"غیر مسلموں کی شرعی حیثیت کے بارے میں یہ مسئلہ سب سے پہلے اس وقت زیر بحث آیا جب عظیم فاتح محمد بن قاسم کے زیرِ قیادت سندھ میں ۷۱۲ء میں عربوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تاریخ سندھ کے ایک معتبر ماخذ چچ نامہ کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم نے سندھ کے ان مفتوحین، جن میں برہمن، بودھ دونوں شامل تھے کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کیا اور ان پر جزیہ عاید کیا، جنہوں نے اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیر نگیں رہنے پر رضا مندی ظاہر کی۔ اسی حیثیت سے انہیں مذہبی آزادی ملی اور قدیم مندروں کی مرمت وآباد کاری کی اجازت دی گئی۔ اگرچہ چچ نامہ یا کسی اور ماخذ میں اس کی صراحت نہیں ملتی، لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ محمد بن قاسم نے والئِ عراق اور علماء سے صلاح ومشورہ کے بعد ہی ہندوؤں کے سلسلے میں فیصلہ لیا ہوگا، جیسا کہ اس بات کے واضح ثبوت ہیں کہ انہیں قدیم معابد کی مرمت کی اجازت دینے اور بعض دوسرے مسائل میں محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف سے مشورہ اور علماء سے استفسار کیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مشہور عرب مؤرخ بلاذری نے صاف طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ سندھ کی فتح کی مہم کے دوران اور بعد کے زمانوں میں بھی حجاج بن یوسف سے محمد بن قاسم کی مراسلت برابر جاری رہی اور یہ صراحت بھی کی ہے کہ ہر تیسرے روز خطوط کی آمد ورفت ہوتی تھی۔"[8]

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال تک رہی اور زیادہ تر زمانوں میں جزیہ وصول کیا گیا، اس کے باوجود عہد قدیم سے چلے آئے مذہبی معتقدات اور مذہبی مقامات کی اپنی حیثیت برقرار رہی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جزیہ کی وجہ سے بڑے پیمانے پر مذہب کی تبدیلی کا عمل ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اسلام کے شیدائی اس کا بیان بڑھا چڑھا کر کرنے سے باز نہ رہتے۔[9] ایک خفیف سا ٹیکس جس کی قدر قلیل تھی، جس کے ادا کرنے سے فوجی پر خدمت سے نجات مل جاتی تھی، جس کی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی، کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسی کہ اہلِ یورپ نے خیال کی ہے کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیے کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے۔[10] مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان اس ضمن نہایت واضح ہے:

"اورنگزیب نے باتفاق جمیع علماء حنفیہؒ ہند ہندوؤں پر جزیہ کے احکام جاری کئے تھے۔ نادانی وبے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ان کی تذلیل وتحقیر ہے، حالاں کہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض وغایت اور اہل ذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کر بیان کرتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ ان کی تذلیل نہیں، بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کر سکتی ہے۔"[11]

اس زمانہ کے تمام راجہ اس کو اور ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس سمجھ کر ادا کر دیا کرتے تھے اور کسی حال میں وہ اپنے کو کمتر درجہ کا شہری تسلیم نہیں کرتے تھے، حالاں کہ اب یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹیکس غیر مسلموں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے تابع بنا کر گری ہوئی حالت میں رکھنے کے لئے عائد کیا جاتا تھا۔ مگر جب ہاتھ میں تلوار موجود تھی تو ایسا کرنے کے لئے ٹیکس لگانے کی کیا ضرورت تھی اور ایسے مؤرخ کی کوئی وقعت نہیں ہوگی جو یہ تسلیم نہ کرے کہ ملک گیری کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تلوار تو خوب

چمکی، لیکن ملک داری میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی۔ وہ میدان جنگ میں خواہ کیسی ہی خوں ریزی کرتے، لیکن جنگ کے بعد معتدل روش اختیار کر لیتے۔ کیوں کہ ملک کی زراعت اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ اونچے عہدے دار تو مسلمان ضرور تھے، لیکن دوسرے تمام عہدے ہندوؤں کے ہاتھوں ہی میں ہوتے تھے، کیوں کہ ان کی مدد کے بغیر حکومت کا ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ان کے ساتھ رواداری سلوک نہ کیا جاتا تو تھوڑی تعداد اور قلیل فوج کی مدد سے ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔[12]

مسلم فاتحین کا غیر مسلموں سے متعلق عمومی طرزِ عمل

بر صغیر کے مسلم فاتحین کے طرزِ عمل سے متعلق مستشرق ول ڈیورانٹ نے لکھا ہے کہ وہ بڑے خون ریز تھے۔[13] مستشرق الفسٹن نے محمد بن قاسم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مسلم تاریخ کے ایسے کرداروں میں سے ہے جو ہندوستان میں آئے اور غاصبانہ طریقوں سے مال حاصل کیا اور اپنی دہاک بٹھانے کی کوشش کی جس میں ہر چند کامیاب بھی ہوئے اور پھر اپنے وطن چلے گئے۔ محمد بن قاسم نے یہاں آکر مندروں کو منہدم کیا اور غیر مسلموں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا۔ ہندوستانی باشندوں کے حقوق کو بھی پامال کیا۔ جو مال واسباب محمد بن قاسم نے حاصل کئے دراصل وہ مقامی باشندوں کا حق تھا۔[14] محمود غزنوی کے بارے میں اسی مستشرق نے لکھا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ میں ایسا کردار ہے جو سال بہ سال ہندوستان پر حملہ کرتا تھا، اور غاصبانہ طریقے سے یہاں کا مال لوٹتا، پکی ہوئی فصلوں کو حاصل کرتا اور اسی مال کو مالِ غنیمت سمجھتا تھا۔ اسی کا ایک اور کارنامہ جو کہ غیر مسلموں کے ہاں زیادہ دردناک ہے کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو بھی نقصان پہنچاتا تھا، انہدام مندر میں زیادہ سختی برتا تھا۔[15] اسی مصنف نے شہاب الدین غوری کو محمود غزنوی سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔[16] اورنگزیب عالمگیر کو مستشرقین نے اپنا خاص ہدف بنایا اور الزام لگایا کہ اس نے اپنے باپ اور بھائی پر بہت سے ظلم ڈھائے، غیر مسلموں خصوصاً سکھوں اور ہندوؤں پر کبھی اعتماد نہیں کیا، اس نے اسلام کی جبری تبلیغ کے راستے ہموار کئے۔[17]

بر صغیر کے مسلم فاتحین پر مستشرقین کے الزامات حقائق کے برعکس ہیں۔ تاریخی طور پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ محمد بن قاسم ظلم کے خاتمے کے لئے ہندوستان آیا تھا، اس نے مسلمان عورتوں اور مسلمان مسافروں کی حفاظت کے لئے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے حملے کو بحری قزاقوں کی ظالمانہ کارروائیوں کے پسِ منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔[18] محمود غزنوی پر مستشرقین کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو مؤرخ ایشور ٹوپا کے اس بیان کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے:

> "موجودہ دور کے ایک مؤرخ کا خیال ہے جو محمود غزنوی کا ناقد بھی ہے کہ وہ کوئی مبلغ اسلام نہیں تھا، غیر مسلموں کو مسلمان بنانا اس کا مقصد نہیں رہا، الفسٹن مشہور مستشرق مؤرخ نے ہم کو یقین کے ساتھ بتایا ہے کہ سلطان گجرات میں عرصۂ دراز تک رہا، لاہور میں بھی اس کا قیام رہا لیکن کسی غیر مسلم کو مسلمان نہیں بنایا، اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی فکر ہی نہیں کی، اس کی مذہبی پالیسی میں رواداری کی خصوصیات تھیں، اس کے متعلق یہ کہیں ذکر نہیں آتا کہ اس نے کسی ہندو کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا، اس نے کسی بھی شخص کو اس کے ذاتی ضمیر کی بنا پر موت کی سزا

نہیں دی،اس نے لڑائی یا محاصرہ کے موقع پر تو ہندوؤں کو ہلاک کیا لیکن کسی اور موقع پر اس کے ہندوؤں کے ہلاک کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا ہے۔اس کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی رہی،ان کا تقرر نہ صرف انتظامی اُمور کے سلسلہ میں کیا جاتا بلکہ ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی رہی، ان کا تقرر نہ صرف انتظامی امور میں کیا جاتا بلکہ وہ فوج میں بھی بحال کیے جاتے ،ان کے مذہب پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، جس طرح فوج میں عرب ،افغان،دیلمی، خراسانی اور غوری ہوتے وہ بھی ہوتے ، ہندو لشکری اپنے آقا کی خاطر کرمان، خوارزم اور مرو میں جا کر لڑتے ، غزنویوں کو فوجی مہموں کی تاریخ میں ہندو فوجی سردار سمجھے جاتے ، غزنویوں کے ساتھ ان کی وفاداری اور خدمات گزاری مثال کے طور پر پیش کی جاتی۔"[19]

محمود غزنوی سے متعلق اسی موَقف کی تائید ہندو موَرخ سی،وی،دیدیہ نے ان الفاظ میں کی ہے :

"محمود ایک جلیل القدر بادشاہ تھا، اس نے محض اپنی قوتِ بازو سے ایک چھوٹے سے پہاڑی علاقہ کو ایک وسیع اور خوشحال سلطنت میں تبدیل کر دیا، یہ کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا، میرا خیال ہے کہ محمود ان افراد میں سے ہے جو قدرت کی طرف سے ایک عرصہ کے بعد پیدا ہوا کرتے ہیں اور جن میں غیر معمولی قسم کی خوبیاں اور عدیم المثال صلاحیتیں ہوتی ہیں اور جو دنیا کی تاریخ اور قوموں کی قسمت بدل دیتے ہیں،ایک انسان کی حیثیت سے وہ ایک سخت ضبط و نظم اور اعلیٰ کردار کا حامل تھا،اس کے حملوں میں ایسی مثالیں تو ملتی ہیں ،کہ شہر لوٹے گئے،مندر منہدم ہوئے ،خون ریزی ہوئی، قیدی غلام بنائے گئے لیکن عورتوں کی عصمت ریزی یا ان کے قتل وخون کی کوئی مثال نہیں ملتی ،وہ عدل پسند تھا،اس لئے ظلم سے اتنی نفرت کرتا تھا کہ اگر اس کالڑکاز ناکا مرتکب ہو جاتا تو اس کو قتل کر دینے کے لئے تیار ہو جاتا،وہ ایک اچھا حکمران بھی تھا اور اچھا منتظم سلطنت بھی ، عوام کو خوش حال بنانے کے لئے کوشش میں برابر لگا رہا،اس نے قزاقوں کی سرکوبی کرکے تجارت کو فروغ دیا ،اپنے علاقوں کی شاہراہوں کو ہر طرح کے خطرے سے پاک کر دیا، لاہور اور خراسان کے درمیان تجارتی قافلے آزادی سے آتے جاتے رہے ۔اس نے صوبوں میں اچھے حاکم مقرر کیے، ان پر نگرانی رکھتا کہ وہ لوگوں پر ظلم نہ کرنے پائیں۔وہ سالانہ ایک لاکھ دینار عدل وانصاف اور عوام کی خوشحالی اور خیرات ومبرات میں خرچ کیا کرتا تھا اور یہ باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ وہ شہروں اور صوبوں میں عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر ان تمام فرائض کو انجام دیتا رہا، جو ایک حکمران کو دینا چاہیے۔"[20]

شہاب الدین غوری ایک رحم دل اور خوف خدا رکھنے والی شخصیت تھی۔صاحب جامع الحکایات ولوامع الروایات نے لکھا ہے کہ انہلواڑہ کے معرکہ میں ناکامی کے بعد کسی نے شہاب الدین غوری کو کہا کہ انہلواڑہ کا فلاں تاجر غزنی میں تجارت کرتا ہے اور اس کی دس لاکھ کی ملکیت کا سامان تجارت غزنی میں پہنچا ہوا ہے۔اسے ضبط کرکے شاہی خزانہ بھر لیں تاکہ شاہی شان و شوکت میں اضافہ ہو۔اس کے جواب میں سلطان کے کہے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ شہاب الدین بااصول اور انصاف کرنے والا حکمران تھا۔ سلطان نے کہا "وسالہ بہر کا یہ مال اگر نہر والا انہل ہلواڑہ میں ہوتا اور وہاں اس پر قبضہ کیا جاتا تو ہمارے لئے یہ حلال ہوتا لیکن غزنی میں اس مال پر قبضہ کرنا ہمارے لئے حرام ہے کیونکہ وہ میری پناہ میں ہے۔[21]

اورنگزیب عالمگیر کی اعلیٰ ظرفی سے متعلق مستشرق ای-مارسڈن نے لکھا ہے:

"اورنگزیب پاکدامن اور پرہیزگار تھا، نہ اس کو شراب کا چسکا تھا، نہ عیاشی کی لت تھی۔اپنے ذاتی مصارف پر روپیہ ضائع نہ کرتا تھا، بلکہ اپنے ہاتھ سے کلاہ بنا کر اپنی روزی کماتا تھا۔نہایت سادہ لباس پہنتا تھا۔سوائے اس وقت کے کہ تخت پر بیٹھتا تھا۔شاید ہی کبھی کوئی چاندی سونے یا جڑاؤ کی چیز پہنتا ہوگا۔اکبر کی طرح ہمت مردانہ رکھتا تھا اور سپہ سالار ایسا تھا کہ کیسی ہی خطرناک مہم ہو، نہ ڈرتا تھا، نہ جھکتا تھا۔اورنگزیب سخت گیر اور منصف مزاج تھا۔رعب سے کام لیتا تھا۔سلطنت کے کاروبار میں محبت کو پاس نہ پھٹکنے دیتا تھا۔خود اس کے بیٹے اس کی طرف سے جان کے خوف میں رہا کرتے تھے۔ان میں سے ایک کا تو یہ حال تھا کہ جب کبھی والد کا خط آتا تھا۔دیکھتے ہی پیلا پڑ جاتا تھا۔اورنگزیب حکم عدولی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اگر کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرتا تو ہرگز اس کو معاف نہیں کرتا تھا۔تمام جنگی افسر اور ملکی کارپرداز اس کے نام سے تھر تھراتے تھے۔اورنگزیب کو ناچ اور گانے بجانے سے بھی نفرت تھی، تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ان طوائف اور گویوں وغیرہ کو نکال دیا جو اس کے باپ کے زمانے کے ملازم تھے۔چند ہی روز بعد ان لوگوں نے ایک جنازہ بنایا اور روتے پیٹتے اسے لے کر جھروکوں کے نیچے سے نکلے۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ علم موسیقی کی میت ہے۔ہم اسے دفن کرنے کے لئے جاتے ہیں۔اس نے جواب دیا کہ برائے خدا اسے ایسا نیچے گاڑنا کہ قبر سے پھر نہ نکل آئے۔ممکن ہے کہ اورنگزیب دل ہی دل میں پشیمان ہوا ہو کہ میں نے کیوں باپ بھائیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اپنی ہندو رعایا کو اپنا دشمن بنالیا۔کیونکہ اس نے کسی کو اپنے عہد کی تاریخ لکھنے کی اجازت نہ دی۔اس زمانے کے حالات جو ہم کو ملتے ہیں۔وہ خفی خاں کی تصنیف سے ملتے ہیں۔منکسر المزاجی ایسی تھی کہ ۹۰ سال کی عمر میں اپنے بیٹے کو لکھتا ہے کہ 'میں اپنی سلطنت کی ذمہ داریاں پوری طرح ادا نہیں کر سکا۔اب میں مرنے والا ہوں اور اپنے گناہوں کا ثمر اپنے ساتھ لیتے جاتا ہوں، کون جانے عقبیٰ میں خدا مجھے کیا عذاب دے گا۔"[22]

برصغیر کے مسلم فاتحین سے متعلق غیر جانبدار مؤرخین کی آراء کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا نہایت مناسب ہے کہ انہوں نے عوام دوستی کے لئے بھرپور اقدامات کئے، اس ضمن میں انہوں کسی قسم کے مذہبی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

۳۔ خلاصۂ بحث

اسلامی فکر وفلسفہ کی تمام جہات انسانوں کی مادی وروحانی ترقیوں سے عبارت ہیں۔انسان دوستی اور خیر رسانی وہ وظائف ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کے اولین اہداف رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مختلف مذاہب کے حاملین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔رسول اللہ ﷺ نے مکہ، مدینہ اور دیگر علاقوں میں لوگوں کے ساتھ بھرپور سیاسی وسماجی تعلقات قائم کئے۔اس ضمن میں کسی تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کیا۔مسلمانوں نے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ان زرّیں اصولوں کی پاسداری کی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے ماحول کو تشکیل دینے کی بھرپور کوشش کیں۔غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور برداشت کا یہی معاملہ مسلمانوں نے برصغیر میں بھی رکھا۔ان حقائق کو تسلیم کرنے کے برعکس بعض مستشرقین یہ الزام لگاتے ہیں کہ برصغیر میں مسلم

حکمرانوں کا رویہ غیر مسلموں کی بابت ظالمانہ اور متعصبانہ تھا۔اس تحقیقی مضمون میں جبری تبلیغِ مذہب، عبادت گاہوں کے تحفظ، جزیہ اور مسلم فاتحین کے طرزِ عمل سے متعلق مستشرقین کے نامناسب افکار و نظریات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

References

[1] Mounstuart, Elphistone, The History of India, JohnMurry Albemarle Street,London,1889,P:20-60

[2] Mounstuart,Elphistone,The History of India ,P:200-250

[3]Gordon Kerr,A Short History of India, London ,1960,P:200-240

[4] جیمس فرگیسن ،اسلامی فن تعمیر ہندوستان میں، حیدر آباد، جامعہ عثمانیہ، ۱۹۳۲ء، ص:۲۵-۳۰

[5] ایشور ٹوپا، ہندی مسلم حکمرانوں کے سیاسی اصول، علی گڑھ :انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۲ء، ص:۷۰-۸۹

[6] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء، ص:۴۰۰-۴۴۹

[7] Stanlay lane Poole, Medieval India,Lahore :Sang –e- meel Publications ,1997,P:50

[8] ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، ہندوؤں کے ساتھ سلطان فیروز تغلق کا برتاؤ، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی– ستمبر ۱۹۹۳ء، ص:۴۰-۵۰

[9] ڈاکٹر اوم پرکاش شرما، اورنگ زیب ایک نیا زاویۂ نظر، دہلی: ندوۃ المصنفین، س۔ن، ص:۴۰-۴۱

[10] شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی، مکتبہ معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء، ج:۱، ص:۲۳۱-۲۵۰

[11] ابوالکلام آزاد، جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، کراچی: مکتبہ ماحول، ۱۹۶۴ء، ص:۸۰-۸۵

[12] سید صباح الدین عبد الرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۶۴ء، ص:۴۰-۵۰

[13] Will Durant ,Story of Civilization, Madras: Dev publication,v:1,P:459

[14] Mounstuart, Elphistone, The History of India, P1-100

[15] Ibid ,P:200-224

[16] Ibid ,P:364

[17] Ibid,P:100-150;شری حولدار ترپاٹھی، بودھ دھر، اور بہار، بہار راشٹر بھاشا، پریشد، پٹنہ، ۱۹۶۹ء، ص: ۱۳۰-۱۵۰

[18] قاضی اسماعیل، چچ نامہ، ادب بورڈ سندھ، س۔ن، ص: ۱۳۱

[19] ایشور ٹوپا، ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول، ص: ۴۰-۵۰

[20] سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۶۷ء، ص: ۵۰-۵۶

[21] عوفی محمد، جامع الحکایات ولوامع الروایات، ملتان: دارالنوادر، س۔ن، ص: ۴۷

[22] ای۔مارسڈن، تاریخ ہند، لاہور: حاجی حنیف پرنٹرز، ۲۰۱۶ء، ۲۰-۱۰